مولانا عبدالرشید انصاری

پاکستان، انسدادِ توہینِ رسالت کا قانون
اور
اقلیتوں کے حقوق

قانون توہین رسالت کے حوالے سے گذشتہ کئی ہفتوں سے اخبارات اور جرائد میں جو مباحثہ جاری ہے ہم نے الحق کی گذشتہ ادارتی تحریر میں اس سلسلہ کے پس منظر اور محرکات کا ذکر کیا تھا۔ دینی اور اسلامی نقطہ نظر سے مولانا عبدالرشید انصاری کی تحریر اختصار کے باوجود ایک جامع تجزیہ و تبصرہ ہے، جس میں مسیحی برادری کے حوالے سے بھی کافی تشفی بخش بحث آگئی ہے جو قارئین کے لیے دلچسپی اور ارباب اختیار کیلئے باعث عبرت ہوگی۔

(ادارہ)

اپریل کے دوسرے عشرے کے اختتام پر پنجاب اسمبلی نے ایک متفقہ قرارداد منظور کرکے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ توہینِ رسالت کے انسداد کے قانون ۲۹۵۔ج میں ترمیم نہ کی جائے اور اہانتِ رسول کے سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے موت کی سزا برقرار رکھی جائے۔ دراصل یہ قرارداد ملک میں جاری احتجاج کا اس بحث کا حصّہ ہے جو ۵ اپریل کو وزیر اطلاعات خالد احمد کھرل کی دی گئی اس اطلاع سے شروع ہوئی تھی کہ آج کابینہ کے اجلاس میں وزیر اعظم نے وزیرِ قانون کو انسداد توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم کا مسوّدہ مرتب کرنے کا حکم دے دیا ہے کہ شاتمانِ رسول کے لیے قانون میں موجود سزا منسوخ کرکے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ دس سال قید کی سزا مقرر کی جائے۔ اس پر عوام اور خصوصاً تمام دینی حلقوں میں غصہ و اشتعال کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا، چنانچہ دوسرے ہی روز اسلام آباد میں سرکاری حلقوں کو اس بات کی وضاحت کرنا پڑی کہ وفاقی کابینہ نے قانون میں جس ترمیم کا فیصلہ کیا ہے وہ توہینِ رسالت کے رائج الوقت قانون میں مداخلت نہیں بلکہ اس قانون میں ایک نئی شق کا اضافہ کرنا ہے جس کے تحت توہینِ رسالت کا کسی پر جھوٹا الزام لگانے والے کو دس سال تک کی سزائے قید دی جاسکے گی۔ اخبارات نے یہ وضاحت بھی کردی کہ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ قانون کی دفعہ ۲۹۵۔ج میں ایک الگ ذیلی دفعہ کے

ذریعہ اضافے کی بجائے اسی دفعہ میں ترمیم کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان بیانات کے بعد اصولاً بحث و احتجاج کا سلسلہ ختم ہو جانا متوقع تھا، مگر قومی اسمبلی کے ایک اقلیتی رکن نے یہ بیان دے کر اس میں مزید اضافہ کر دیا کہ وزیر اعظم صاحب سے ہماری بات ہو گئی ہے، انہوں نے توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم کا حکم دے دیا ہے۔ اس لیے بجا طور پر پنجاب اسمبلی کے ارکان نے صاحبزادہ فضل کریم کی پیش کردہ قرار داد حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کی تمیز اور تشخص کا لحاظ کیے بغیر متفقہ طور منظور کر کے عملاً حکومت پر واضح کر دیا کہ توہینِ رسالت کے مرتکبین کی سزا میں تخفیف کا عندیہ معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی بھی نامنسقانہ اقدام کیا گیا تو وہ خود حکومت کے لیے بھی گوناگوں مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔

گستاخانِ رسالت اور شاتمانِ نبی کے لیے موت کی سزا کا رائج الوقت قانون پینل کوڈ کی اس دفعہ (۲۹۵ ج) کا حصہ ہے جو برطانوی دورِ تسلط میں بھی رائج تھی۔ ۱۹۲۷ء میں اس (دفعہ میں ذیلی دفعہ ۲۹۵۔الف) کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس کے تحت لوگوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کا الزام ثابت ہونے پر اڑھائی سال تک کی سزا ملزم کو دی جا سکتی تھی۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان کے فوجی سربراہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے قرآن کریم کے تقدس کے تحفظ کے لیے اسی قانون میں ذیلی دفعہ۔ب کا اضافہ کیا جب کہ ۱۹۸۵ء کی قومی اسمبلی نے جس کے ممبران میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری مرحوم، علامہ شاہ بلیغ الدین اور مولانا معین الدین لکھوی جیسے اکابر اہلِ علم بھی شامل تھے، دفعہ ۲۹۵ ہی میں ذیلی دفعہ "ج" کا اضافہ کر دیا تھا جس کے بموجب پیغمبرِ اسلام حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں بولے یا لکھے ہوئے لفظ یا اشارے بالواسطہ یا بلا واسطہ طور سے ان کے مقدس نام کو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کے بارے میں توہین آمیز رویہ پر موت، عمر قید یا جرمانے کی سزا مقرر کی گئی تھی۔ اگرچہ اسلامی شریعت کی رو سے یہ قانون بھی توہینِ رسالت جیسے قبیح جرم کے مرتکبین کو ٹھیک ٹھیک سزا دینے کے تقاضے پورے نہیں کرتا تھا، کیونکہ اسلامی قانون انسانیت کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہادیٔ اعظم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے وجود کو اپنی اقلیم میں مسترد کرتا ہے اور اسے دنیا سے چلتا کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن ۱۹۹۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے چیف جسٹس، جناب جسٹس گل محمد نے لاہور کے ایک فاضل وکیل محمد اسمٰعیل قریشی کی رٹ پٹیشن کا فیصلہ سناتے ہوئے عمر قید اور جرمانے کی سزا کو خلافِ شریعت تسلیم کر کے اسے قانون سے حذف کر دیا تھا۔ انسدادِ توہینِ رسالت کا قانون مستحکم اور غیر مبہم ہو جانے کے بعد سب سے پہلے قادیانیوں کی جانب سے اس کے خلاف آواز اٹھنا شروع ہوئی، لیکن پھر وہ منقارِ زیرِ پر کے مصداق دبک گئے، جب کہ بعد ازاں ملک میں ایک سے زیادہ واقعات ایسے ہوتے جن میں توہینِ رسالت کے ملزمین کا تعلق اتفاقاً عیسائی اقلیت سے تھا۔ بس پھر کیا تھا، ایک منظم طریقے سے انسانی حقوق کے خود ساختہ اجارہ دار بھی انسانیت

ہی کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرنے والوں کو قانون کی زد سے بچانے کے لیے میدان میں آگئے اور اس قانون ہی کو منسوخ کرانے کی ہفوات شروع ہوگئیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ توہینِ رسالت کے قانون کی زد مسیحیت یا مسیحیوں پر پڑے گی یا ہمارے ملک کی کوئی اور اقلیت اس کی نشانے پر آجائے گی، کیونکہ سوائے قادیانیت کے کسی بھی مذہب نے یا اس کے ماننے والوں کی قیادت نے اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی یا اسلام کے پیغمبر معظم ومحتشم مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کی ترغیب نہیں دلائی اور نہ ہی مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰ ابنِ مریم یا کسی بھی دوسرے نبی کی توہین کریں۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان کسی بھی وجہ سے کسی بھی نبی کی توہین کرے تو وہ اسی لمحہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ اب تک ایک شبہ یہ تھا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے تو قومی اسمبلی نے قانون وضع کردیا ہے، مگر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین کرنے پر پابندی نہیں لگائی۔ چنانچہ گزشتہ دنوں (وسط اپریل ہی میں) لاہور ہائی کورٹ کی فل بنچ نے میانوالی کے ایک عیسائی مذہبی رہنما بشپ کینتھ کی رٹ درخواست پر اپنے ریمارکس میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کی توہین کے مرتکب کسی بھی شخص کے خلاف توہینِ رسالت ایکٹ کے تحت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ پاکستان پریس انٹرنیشنل نے لاہور سے یہ خبر جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عدالت عالیہ کے ان ریمارکس نے توہینِ رسالت ایکٹ کے خلاف مختلف طبقات کے طرف سے چلائی گئی پروپیگنڈا مہم کو خاموش کردیا ہے۔ فاضل عدالت نے مزید کہا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ عدالت نے فیصلے میں مزید کہا ہے کہ توہینِ رسالت ایکٹ میں لفظ "تمام پیغمبروں" استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ تمام پیغمبر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ بشپ کینتھ نے اپنی درخواست میں عدالتِ عالیہ سے استدعا کی تھی کہ توہینِ رسالت ایکٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی شامل کیا جائے۔ عدالتِ عالیہ نے کہا کہ مسلمان تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان کی رسالت پر ایمان لائے۔ عدالتِ عالیہ کی جانب سے قانون کی اس تشریح اور وضاحت کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ مسیحی حضرات مطمئن نہ ہوں اور توہین رسالت کے قانون کے متعلق حق بجانب ہونے کے بارے میں ان کے اذہان میں اب بھی شکوک وشبہات باقی رہیں۔

بایں ہمہ اب بھی کوئی توہینِ رسالت کے قانون کی مخالفت کرتا ہے تو ہمارا سوال اس سے یہ ہے کہ کیا وہ مسلمانوں کو دینی اعتبار سے اس قدر بے جان، بے احساس اور بے غیرت بنانا چاہتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی توہین کی جائے اور وہ خاموشی واطمینان سے سنتے رہیں اور زیادتی وظلم کو روکنے کے لیے ان کے پاس قانون

کا سہارا بھی نہ ہو! انصاف سے بتایئے کہ جب کوئی سلیم الفطرت انسان بقائمی ہوش وحواس وصحت عقل اپنے ماں باپ یا اپنی محبوب ہستی کے متعلق نازیبا الفاظ نہیں سن سکتا تو اہلِ ایمان سے یہ کیوں توقع کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کے دشمنوں کو وہ خبثِ باطن کے اظہار کی کھلی چھٹی دے دیں؟ ۲۶ اپریل کو لاہور میں عدالتِ عالیہ نے ایک درخواست کی سماعت کے دوران واضح کیا ہے کہ دفعہ ۲۹۵-ج انسدادِ توہینِ رسالت کا قانون آئین کے منافی نہیں ہے۔ اگر یہ قانون منسوخ کر دیا جائے تو پھر زمانۂ قدیم کی طرح لوگ ملزم سے خود ہی بدلہ لے لیا کریں گے۔ عدالت نے کہا کہ یہ قانون ملزم کو (جرم ثابت ہونے تک) جان کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیتا ہے اور اپنی پسند کا وکیل مقرر کرنے کی سہولت دیتا ہے۔ نیز ہم اس قانون کے مخالفین کو یہ بھی بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اگر اس ملک میں بھی ناموسِ رسالت کے تحفظ کا قانون نہ ہو تو یہاں کے تمام مسلمانوں کو مسلمان کہلانے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے؟ ہم عاصمہ جہانگیر اور ان کے فکری ساتھیوں کی کھیپ سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سرتاج اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے برگزیدہ والد حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے کہ گستاخانِ رسالت کو رعایتیں دلوانے کے لیے حقوق اور قانون کے نام پر ایک تحریک سی شروع کر دی گئی ہے۔ کیا حقوقِ انسانی کے ضمن میں جن کے آپ علمبردار ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں اور خصوصاً انسانیت کے محسنِ اعظم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزت واحترام کے تحفظ کا پاکستانی مسلمانوں اور پاکستانی قانون کو کوئی حق نہیں ہے؟ آخر کیوں؟ جہاں تک اس قانون میں بیان کی گئی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے موت کی سزا کا تعلق ہے تو یہ سزا محترمہ بے نظیر صاحبہ یا جنرل ضیاء الحق مرحوم نے مقرر نہیں کی، پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی قانون میں اس کا احیاء کیا ہے۔ عدالتِ عالیہ نے اسے واضح کیا ہے توہینِ رسالت کے مجرموں اور سلمان رشدی، اکرم عربی، مرزا غلام احمد قادیانی راجپال جیسے شاتمانِ رسول کیلئے موت کی سزا اسلامی شریعت میں چودہ سو برس پہلے سے موجود ہے اور منشائے الٰہی کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے۔ کسی مسلمان اتھارٹی کو یہ سزا بدلنے کا حق نہیں ہے۔ مخالف عناصر ٹھنڈے دل سے اپنے رویئے کا جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ دفعہ ۲۹۵-ج کی مخالفت کے عنوان سے وہ کچھ اور کر رہے ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ توہینِ رسالت کے انسداد کے قانون کو لوگ اپنے مخالفین کے خلاف ناجائز طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر یہ خدشہ تو ہر قانون کے متعلق پیدا ہو سکتا ہے۔ تو کیا پھر تمام قوانین سے سزائیں حذف کرنے کا مطالبہ کرنا قرینِ عقل وانصاف ہو گا؟ قطعاً نہیں! ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مذاہب کے زعماء اپنے متبعین کو اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہونے اور دوسروں کی دلجوئی اور احترام باہمی، نیز ملکی قوانین پامال کرنے سے باز رہنے کی تلقین کریں اور مذہب دشمن، لادین عناصر اور غیرملکی ایجنسیوں کی سازشیں ناکام بنا دیں۔